ولایت فقیہ، بزرگ فقہاء کی نظر میں

سید غلام حسین رضوی ہلوری

مقدمہ: لفظ ولایت کے جہاں متعدد معانی علمائے لغت نے ذکر کئے ہیں وہیں ایک معنیٰ ''سرپرستی اور حکومت'' کے بھی ہیں۔ یعنی ولی کا مطلب ، حاکم اور سرپرست ہے جیسا کہ خود پیغمبرؐ نے خطبۂ غدیر میں اسی معنیٰ کے پیش نظر لفظ اولیٰ کا استعمال کیا، آپ نے فرمایا: '' الست اولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلیٰ '' یا خود قرآن میں خدا نے اپنے لئے لفظ مولیٰ کا استعمال اسی معنیٰ میں کیا '' نعم المولیٰ '' یا لفظ ولی جیسے '' فالله هو الولی ''[۱]

فقیہ کا مطلب ہے کچھ اصول وضوابط کے ذریعہ شریعت کو قرآن واحادیث سے حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والا، ان مفردات کو جب ترکیب دے کر دیکھا جائے تو اس لفظ '' ولایت فقیہ'' کا مطلب فقہی اور شرعی حکومت وسرپرستی ہے۔ یعنی ولی فقیہ اس انسان کو کہتے ہیں جو لوگوں پر فقہی اور شرعی حکومت وسرپرستی رکھتا ہو۔ اور ایسے انسان کی ضرورت پر کسی بھی مذہبی انسان کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قانون کا بنانا ایک مسئلہ ہے اور اس کو نافذ کرنا ، معاشرہ میں اس پر پابندی کروانا ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے قوانین بناکر ہر زمانہ میں اہم ہستیوں کو اس کی تشریح اور نفاذ کے لئے بھیجا ، الحمد للہ یہ سلسلہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام تک جاری وساری رہا لیکن آج جبکہ غیبت امام عصر علیہ السلام کا زمانہ ہے تو ایسے انسان کی ضرورت ہے جو اس ہدف کو باقی اور قائم رکھ سکے کیونکہ اگر ایسا قبول نہ کیا جائے تو ہرج ومرج اور معاشرہ میں انحطاط کا بول بالا ہوجائے گا لوگوں کے حقوق آسانی سے ضائع وبرباد کردئے جائیں گے، ظلم وستم، حاکم ہوجائے گا، عزت وآبرو پامال ہوجائے گی، ناموس کا تحفظ مشکل ہوجائے گا ، ہرکوئی کسی کے حریم میں داخل ہونے کی جرأت کرے گا۔ ہوسکتا ہے کوئی انسان یہ کہے کہ اس مشکل کا حل تو نظام حکومت کے ذریعہ نکالا گیا ہے تو پھر ولی فقیہ کی کیا ضرورت ؟ جواب واضح ہے کہ نظام حکومت اپنے مفاد کے اطراف طواف کرتا رہتا ہے، غریب محکوم اور امیر حاکم ہوتاہے، صاحب اقتدار ہر قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور رعایا مسلسل مظالم کا شکار رہتی ہے، دبنگ اپنی خواہشات تک پہنچ جاتا ہے اور کمزور وناتواں حسرتیں لئے مچلتا رہتا ہے۔

لیکن اگر نظام حکومت کسی ایسے کے ہاتھ میں ہو جو عادل ہو، صحیح اور غلط کے درمیان کے فرق کو اچھی طرح سمجھتا ہو، فطری اور الٰہی قوانین سے آگاہ ہو، ملک کے مفاد اور ضرورتوں سے واقف ہو، خواہشات نفس کا اسیر نہ ہو، خدا اور رسولؐ وائمہ علیہم السلام کا مطیع ہوتو پھر ایسے انسان کے ذریعہ، صبح امید کی توقع رکھی جاسکتی ہے، حقوق کے وفا ہونے کی امید بڑھ جاتی ہے، ظلم کا راستہ بند اور انصاف کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں۔ لیکن ان تمام امور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے اسی لئے خداوند عالم نے معصومین علیہم السلام کو اس دنیا میں ولی وسرپرست بنایا۔ انہیں اس زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تاکہ وہ حکومت کے سہارے معاشرہ کی اصلاح کرسکیں، ظلم کا خاتمہ اور انصاف کو رائج اور عام کرسکیں، جبھی تو رسولؐ نے مدینہ میں قدم رکھتے ہی حکومت کی بنیاد رکھی، ائمہ علیہم السلام کو جب موقع ملا انہوں نے بھی حکومت کے ذریعہ الٰہی وشرعی اغراض ومقاصد کو فروغ دیا۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ معاشرہ میں امن وامان کے قیام، حقوق کی ادائیگی، ظلم وستم سے نجات پانے کے لئے ایک ایسے حاکم وسرپرست کی ضرورت ہے جو عادل ہو، خواہشات نفس کا غلام نہ ہو وغیرہ اور اس حاکم کا کام نظارت کرنا ہے اور ضرورت پڑنے پر شریعت کے صحیح قانون اور فیصلہ کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہر ایک سے ممکن نہیں ہے۔

ولی فقیہ کے لئے چونکہ حکومت کی بھی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ آسانی سے الٰہی وشرعی قوانین کو نافذ کرسکے اسی لئے اس موضوع پر زیادہ تر فقہاء نے نظری اور علمی بحثیں کی ہیں، اور اس حقیقت کا سب نے اعتراف کیا ہے کہ ایسے شخص کی ضرورت ہے لیکن حکومت نہ ہونے کی وجہ سے یہ عملی نہیں ہوسکا لہٰذا بزرگوں نے اس پر زیادہ گفتگو نہیں کی ہاں اس پر ضرور بحث رہی ہے کہ ولی فقیہ کے اختیارات کتنے ہیں۔ تو جس طرح شریعت کی حفاظت کرنا ائمہ معصومین علیہم السلام کا کام تھا اور وہ دین کو ہر طرح کی غلط فکروں اور خرافات سے بچاتے تھے وہی فلسفہ ولی فقیہ کے ذریعہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ ورنہ ہم دو حال سے خارج نہیں ہوں گے یا یہ کہہ دیں کہ رسولؐ کے بعد شریعت کے احکام ختم ہوگئے یا پھر یہ کہیں کہ قیامت تک کے لئے احکام باقی ہیں۔ پہلا تصور باطل ہے اور دوسرا تصور صرف خیال بن کر رہ جائے گا اگر اس کے نفاذ اور بقاء کے لئے ایک ایسے حاکم وسرپرست کا وجود ضروری نہ سمجھا جائے جو اس کا اہل بھی ہو۔ عصر غیبت میں ایران کا انقلاب، وہ پہلا موقع ہے جہاں الٰہی وشرعی معیار پر حکومت قائم ہوئی، اسی لئے ولایت فقیہ کا موضوع اپنی عملی واجرائی حیثیت کے پیش نظر علمی

محافل میں بحث وگفتگو کا محور بنا۔ امام خمینیؒ اور ان کے بعد دوسرے فقہاء نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔

ولایت ونیابت میں فرق

کوئی یہ تصور نہ کرے کہ ولایت اور نیابت دونوں ایک جیسی ہیں لہٰذا جو حقیقت نائب کی ہوتی ہے وہی ولی کی ، کیونکہ نیابت میں منوب عنہ، اصل اور نائب فرع ہوتا ہے درحالیکہ ولایت میں ولی اصل اور مولیٰ علیہ فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔

مراتب ولایت

کسی کا کسی پر ولایت رکھنا یہ کوئی نیا اور جدید کام نہیں ہے بلکہ مصالح ولایت کے مدنظر، یہ شریعت کے مسلمات اصول میں سے ایک ہے۔عقلائے عالم نے بھی اس کی افادیت کے پیش نظر کسی حدتک اس اصل کی تائید بھی کی ہے اور اس پر عمل بھی کررہے ہیں لیکن چونکہ ان کی عقلیں محدود اوران کے مصالح ومفادات کے فہم کی طاقت مضیّق ہے لہٰذا وہ کچھ مرحلہ کے بعد اس کے بارے میں گفتگو کرنے سے عاجز ہیں لیکن الٰہی نظام کے عالمی اور وسیع ہونے کا یہ ثبوت ہے جو اس نے اس موضوع پر ایک جامع گفتگو کی اور اس کی ضرورت کو عام تصور سے کہیں بالاتر بتایا۔

الف: محدود اور جزئی ولایت

۱۔ باپ کی ولایت اپنے نابالغ فرزند پر۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام کام کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے ۔

۳۔ باپ کی ولایت مجنون فرزند پر۔

۳۔ شوہر کی ولایت زوجہ پر۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اپنے امور کو زوجہ ، شوہر کی رضایت کے بغیر انجام نہیں دے سکتی ۔

ب: وسیع اور کلی ولایت

۱۔حضرت رسول خداؐ کی ولایت امّت پر۔

۲ ۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت امت رسولؐ پر۔

۳۔فقہاء کی ولایت، امّت محمدؐ پر۔

یہ تمام ولایتیں بھی طول میں ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ان کا تعلق پوری امت اور معاشرہ سے ہے لہٰذا انکا دائرہ اختیار، وسیع اور کلی ہوتا ہے۔ اور چونکہ اعمال ونفاذ ولایت کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ان حضرات کی عملی ولایت ،حکومت کے پس منظر میں ہے۔

ایک وہم اور اسکا جواب

ہوسکتا ہے کوئی کہے: ولایت کا مطلب ہے تسلط اور حاکمیت ،جبکہ بہت سی شرعی دلیلوں میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی کسی پر تسلط نہیں رکھتا۔

یہ ایک مغالطہ ہے کیونکہ تسلط کا مطلب ہے دوسروں کو حکم دینا، دوسروں پر اپنا حکم چلانا اور خود اس پر عمل نہ کرنا جبکہ ولی فقیہ اور اس کے تابعین کے درمیان، عمل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ولی فقیہ کا جو فرمان ہے وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

ولی فقیہ کے بارے میں بزرگ فقہاء کے نظریات

مذکورہ بیانات سے یہ مطلب واضح ہوگیا کہ ولی فقیہ کی ہر زمانہ میں ضرورت ہے اوراجرائے ولایت کے لئے حکومت ضروری ہے تا کہ آسانی سے اور پورے اختیار کے ساتھ شریعت کے احکام کو نافذ کیا جاسکے اور ان کی نگرانی کی جاسکے۔ اس اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے بزرگ فقہاء نے اپنے نظریات کا اس طرح اظہار کیا:

شیخ انصاری مرحوم

شیخ انصاریؒ نے اپنی معروف کتاب مکاسب کے مسئلہ ''التّصرف فی مال الصغیر'' میں پہلے فقیہ کے تین منصب بیان کئے ہیں(۱۔ منصب فتویٰ، ۲۔ منصب مرجعیت (اختلاف وغیرہ کی صورت میں) ۳۔منصب ولایت یعنی اموال اورنفسوں پر تصرف) پھر ولی فقیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

ولی فقیہ کو دو طریقہ سے تصور کیا جاسکتا ہے:

۱۔تصرف میں استقلال (یعنی صاحب مال کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا)

۲۔ دوسرے کے تصرف کا ولی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہونا۔

پہلی صورت ، قاعدہ اولیہ (کہ کسی کو کسی پر تسلط حاصل نہیں ہے اور ہر ایک اپنا خود ذمہ دار ہے) کی بنیاد پر صحیح نہیں ہے ۔ اور دلیلوں سے یہ ثابت کرنا نہایت مشکل ہے کہ ولی فقیہ کی اطاعت

اس صورت میں امام معصوم علیہ السلام کی اطاعت کے مانند ہے۔لیکن دوسری صورت کو شیخ انصاریؒ نے ولی فقیہ کے لئے قبول کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ ضابطے بھی ذکر کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (''المکاسب'' التصرف فی مال الصغیر)

خلاصہ یہ کہ شیخ انصاریؒ ،مخاصمات (اختلافات)اوراموال صغیر کی دیکھ بھال، ولی (باپ) نہ ہونے کی صورتیں، اسی طرح غائب کے اموال وغیرہ جیسے موارد میں ولایت فقیہ کی بحث کو ذکر کرتے ہوئے اس پر مقبولہ عمر بن حنظلہ ،توقیع شریف وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وہم

بعض لوگوں نے بہت صراحت سے لکھا ہے کہ شیخ انصاریؒ کسی بھی حال میں اختیارولایت فقیہ کے قائل نہیں ہوئے یا لااقل مشکوک ہے۔تو جب بعض موارد میں ولایت فقیہ کے قائل نہیں ہوئے تو پھر ولایت مطلقہ فقیہ کے کہاں قائل ہوں گے۔ ۲؎

جواب

یہ بات صرف، دقت نہ کرنے کی وجہ سے کہی گئی ہے ورنہ شیخؒ نے ہزاروں امور کو ولی فقیہ کے اختیار میں جانا ہے اور اپنی بات کو توقیع حضرتؑ سے مستدل کرتے ہوئے اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

"والحاصل انّ لفظ الحوادث لیس مختصّابما اشتبه حکمه ولابالمنازعات" ۳؎

لفظ حوادث، صرف ان ہی چیزوں سے مخصوص نہیں ہے جن کا حکم مشتبہ ہے۔ اسی طرح صرف اختلافات کو دور کرنے سے محدودنہیں ہے۔

پھر شیخ انصاری فرماتے ہیں:

''وعلی ای تقدیر فقد ظهر مما ذکر نا انّ مادلّ علیه هذه الادلّة هو ثبوت الولایه للفقیه فی الامورالتی یکون مشروعیة ایجادهافی الخارج مفروغاً عنها بحیث لوفرض عدم الفقیه کان علی النّاس القیام به کفایه" ۴؎

مذکورہ تمام باتوں سے یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ وہ چیز جس پر یہ دلیلیں دلالت کرتی ہیں وہ فقیہ کی ولایت کا ان امور میں ثابت ہونا ہے جنہیں خارج میں انجام دئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اس طرح سے کہ فقیہ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں واجب کفائی کے عنوان سے ان امور کی

سرپرستی لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

شیخ انصاری مرحوم یہاں تک اظہار نظر کرتے ہیں کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پامال ہورہے ہوں تو حاکم جائر کی جانب سے ولایت کا قبول کرنا جائز یا واجب ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دلیلیں مطلق ہیں۔ لہٰذا جب شیخ انصاریؒ، بطور مطلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مشروعیت کے قائل ہیں تو پھر تمام واجبات اور محرمات میں فقیہ کی ولایت بہر حال ثابت ہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ شیخ پہلی صورت میں بھی ولایت فقیہ کے قائل ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لئے شیخ انصاری کی ''مکاسب'' کتاب طہارت سے ملحق کتاب خمس اور کتاب زکات کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر صرف ان کی عبارت نقل کررہے ہیں:

”المتولی لاخراج الزّکاۃ الی مصارفها اثنان: المالک وفی حکمه نائبه ولیّاً اووکیلاً اووصیّاً وینوب عنه الساعی۔ اما لمالک ونوابه فلاخلاف فی جواز تولیهم فی الجملة خلافاً للمفید والحلبی فاوجبا الدفع الی الامام مع حضوره والی الفقیه مع الغیبة... ولوطلبها الفقیه فمقتضی ادلة النیابة وجوب الدّفع لانّ منعه ردّعلیه والرادّ علیه راد علی اللّٰه کمافی مقبولة عمر بن حنظلة ولقوله(ع) فی التوقیع الشریف الواردة فی وجوب الرّجوع:۔۵

''زکات کو دو لوگ صرف کرسکتے ہیں: مالک اور اس کا نائب، چاہے وہ ولی کی حیثیت سے ہو یا وکیل کی حیثیت سے یا وصی کی حیثیت سے اور کام کرنے والا (عامل) بھی اس کی طرف سے نیابت رکھتا ہے۔ لیکن مالک اور اس کے نائب حضرات کی ولایت کے سلسلے میں صرف مفیدؒ اور حلبیؒ مخالف ہوئے ہیں کیونکہ ان دونوں حضرات کا ماننا ہے کہ امامؑ کی موجودگی میں یہ زکات خود امام علیہ السلام کو ہی دی جائے گی اور غیبت امامؑ کے زمانہ میں فقیہ کو... اور اگر فقیہ، زکات کا مطالبہ کرے تو نیابت کی دلیلوں کی بنیاد پر اس کو دینا واجب ہے کیونکہ اسے نہ دینا اور مخالفت کرنا امام علیہ السلام کی مخالفت کرنا ہے۔ اور امام علیہ السلام کی مخالفت، خدا کی مخالفت ہے جیسا کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ اور امام زمانہ علیہ السلام کے وجوب رجوع کے سلسلے میں ماثور توقیع میں ذکر

ہوا ہے۔

اور کتاب الخمس میں شیخ انصاریؒ فرماتے ہیں:

"...لکن الانصاف ان ظاهر تلک الادلّة تثبت ولاية الفقيه عن الاما م على الامور العامّه لامثل خصوص امواله واولاده ، نعم يمكن الحكم بالوجوب نظراً الى احتمال مد خلية خصوص الدفع فى رضاء الامام حيث انّ الفقيه ابصر بمواقعها بالنّوع وان فرضنا فى شخص الواقع تساوى بصيرتهمااو أبصرية المقلد"[6]

.... لیکن انصاف یہ ہے کہ ان دلیلوں کے ذریعے امام علیہ السلام کی جانب سے فقیہ کی ولایت ، تمام امور پر ثابت ہوتی ہے نہ صرف اموال اور اولاد میں، بلکہ اس ولایت کے واجب ہونے کا بھی حکم لگایا جاسکتا ہے اگر اس کا احتمال دیا جائے کہ چیزوں کو وہیں دیا جاسکتا ہے جہاں امام علیہ السلام راضی ہوں" کیونکہ فقیہ عموماً ائمہ کی رضایت اور مصلحت کے موارد اور مواقع سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں چاہے ہم اس بات کا احتمال بھی دیں کہ ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو آگاہی کے حوالہ سے اس کے مساوی ہے یا اس کا مقلد زیادہ آگاہ ہے۔

نظریۂ صاحب جواہر

صاحب جواہر نے ولایت فقیہ کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

"مذہب کی عظیم شخصیتیں ولایت فقیہ کی قائل ہیں" نیز فرماتے ہیں : جو شخص ولایت فقیہ کے بارے میں وسوسہ کرے اس نے ذائقہ فقہ کو نہیں چکھا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلمات کے رمز کو نہیں سمجھا ہے۔"[7]

یہی وجہ ہے کہ ان کے عظیم شاگرد جیسے آیت اللہ شیرازیؒ ، آخوند خراسانیؒ ،حاج میرزا حسینؒ، حاج میرزا خلیلؒ، آیت اللہ یزدی بھی ولایت فقیہ کے سرسخت حامیوں میں سے ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر بھی اس سلسلہ میں شک وتردید کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کے اثبات پر بہت زور بھی دیا ہے۔[8]

نظریۂ آقای آخوند خراسانیؒ

محقق عصر، شیخ آخوند خراسانیؒ بھی تقریباً اپنے استاد شیخ انصاریؒ کی طرح ولایت فقیہ کے بارے میں نظر رکھتے ہیں اور کہیں بھی انہوں نے اصل ولایت فقیہ پر شبہ یا اعتراض نہیں کیا ہے۔ آخوند خراسانیؒ کے نظریہ کو ان کے رسالہ عملیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ۹

قارئین بخوبی متوجہ ہیں کہ رسالہ عملیہ، مقلدین کے لئے لکھی جانے والی کتاب ہے۔ اور اس کا تعلق براہ راست عمل سے ہوتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شیخ آخوندؒ، ولایت فقیہ کے مخالف ہوں، لیکن میدان عمل میں، عملی کتابوں میں اس کی موافقت اور حمایت کا فتویٰ دیں!

نظریۂ آقای نائینی مرحوم:

میرزا محمد حسین نائینی مرحوم، حاشیہ ''مکاسب'' میں اس عبارت ''من جملةاولياء التصرف فی مال من لایستقل بالتصرف فی ماله الحاكم'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ولایت کے تین مراحل ہیں:

۱۔ سب سے بالا مرتبہ، انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ دوسرا مرتبہ، ایک ایسا مرتبہ ہے جو کسی دوسرے کو عطا کیا جاسکتا ہے اور اس کا تعلق سیاست، امور کے نظم، سرحدوں کے استحکام، دشمنوں سے جہاد کرنے اور دفاع وغیرہ سے ہے جو کہ والیوں اور حکمرانوں سے مربوط ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا مرتبہ، قضاوت وعدالت اور فتویٰ دینے سے متعلق ہے۔

آخر کے دونوں مرحلے اور مرتبے رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی پائے گئے ہیں۔ کچھ لوگ فتویٰ دینے اور قضاوت کے لئے منصوب ہوتے تھے اور کچھ لوگ ملک میں نظم اور مسلمانوں کی مصلحتوں پر نظارت رکھنے کے لئے منصوب ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لیاقت اور اہلیت کی بنیاد پر دونوں منصب اور مرتبہ ایک ہی شخص کے پاس ہوا کرتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قاضی اور والی دو الگ الگ شخص ہوا کرتے تھے۔ ۱۰

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شیعہ فقہاء میں کوئی ولایت فقیہ کا منکر نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ان کے بیانات میں اس طرح کی تعبیر ملتی بھی ہے تو وہ درحقیقت ولایت فقیہ کے منصب کو منصب رسالت وامامت کے برابر قرار دینے سے متعلق ہے، نہ کہ وہ اصل ولایت فقیہ کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ اس اصل کے وجود پر جہاں قرآن واحادیث سے تائیدات ملتی ہیں وہیں عقل بھی اس کے وجود کو حفظ نظام اور مصلحت عامۂ مسلمین کے لئے ضروری سمجھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت اللہ نائینی مرحوم نے کتاب ''تنبیہ الامّۃ وتنزیہ الملّۃ'' ص ۴۱ میں اصل ولایت فقیہ کے اثبات میں اپنی پوری علمی توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے لکھا:

''اب جبکہ معصومؑ اور معصوم کے عام نائب، عادل فقہاء کی حکومت نہیں ہے اور اس طرح کے حالات اور مواقع فراہم نہیں ہو پارہے ہیں اور دوسری طرف، دنیا پرست وظالم لوگ فقہائے اسلام کی حکومت کے اسباب فراہم نہیں ہونے دے رہے ہیں، ایسی حالت میں عقل حکم کرتی ہے کہ ''صالح حضرات کی حکومت کو قائم کیا جائے تاکہ ظالموں کو مہار کیا جاسکے اور ان کے ظلم کو کسی حد تک روکا یا کم کیا جاسکے''۔ سلطنت وحکومت کا ہڑپ لینا جہاں عظیم ظلم ہے وہیں ظلم واستبداد کو تحمل کرنا بھی ایک ظلم ہے۔ لہٰذا اگر لوگ ظالم حکمرانوں سے تخت وتاج چھین کر حکومت کو فقہاء کے حوالے نہ کرسکیں تو کم از کم ظلم واستبداد کو تو ختم کرسکتے ہیں، تاکہ کسی حد تک اسلامی معاشرہ کے واقعی مصالح سے قریب ہوسکیں''۔

پھر موصوف اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے قاعدۂ معروف ''المیسور لایسقط بالمعسور'' سے جو کہ عقلی اور غیر قابل تخصیص قاعدہ ہے، اپنی بات کو مستحکم اور مستند قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی تائید میں حضرت علی علیہ السلام کا مشہور جملہ نقل کرتے ہیں: ''لابدّللنّاس من امیر برّأو فاجر'' بہر حال لوگوں کے لئے امیر وولی کا ہونا ضروری ہے، چاہے وہ نیک ہو یا برا، یہ صرف اس لئے ہے کہ حضرت کی نگاہ میں معاشرہ اور نظام میں ہرج مرج سے کہیں زیادہ اہم، امیر وولی کا وجود ہے جو ایک نظام کے تحت حالات پر قابو اور نظارت رکھتا ہے۔

وہم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آقای نائینی مرحوم ولایت فقیہ کو، ایک طرح کا دینی استبداد

مانتے ہیں اس لئے معصوم کے سوا کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے۔

جواب: اگر موصوف کی تعبیرات پر غور کیا جائے تو بات کچھ اور ہی ہے وہ غیر معصوم کی ولایت (جس معنیٰ میں ولایت کی اب تک وضاحت ہوئی ہے) کے قطعاً منکر نہیں ہیں بلکہ انہوں نے ولایت کے متعلق تاریخ اسلام میں غلط استعمال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ افراد کی حکومت کو دینی استبداد سے تعبیر کیا ہے جیسے معاویہ کیونکہ ان جیسے لوگوں نے ولایت کا بہانہ بنا کر اپنے مفاد کو حاصل کیا، من مانی کی، لیکن ولی فقیہ لوگوں کی منفعت اور مصلحت کے سوا کچھ اور نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس کا دینی استبداد سے تعبیر کرنا غلط ہے۔

یہ تاریخ فقاہت کی بعض عظیم ہستیاں تھیں جن کے بیانات کو نمونہ کے طور پر ''ولایت فقیہ'' کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اطالۂ کلام سے بچتے ہوئے ولی فقیہ کے کچھ اہم اختیارات کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہیں فقہاء نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ولی فقیہ کے بعض اہم اختیارات

۱۔اختلافات کو ختم کرنا منتہیٰ اجتماعی نہ کہ مصداق اور فرد فرد کے لئے۔

۲۔تعزیرات اوران کے جیسے قوانین واحکام کو ضرورت کے مطابق تشخیص دینا۔

۳۔جدید اور نئے موضوعات ومسائل سے متعلق قوانین پر نظر دینا۔

۴۔اراضی اموات (بنجر زمین) کی تقسیم بندی، زکات وصدقات کو فقراء اور محرومین میں صرف کرنا، دیت کا ادا کرنا، غیر مالک مال کا قبضہ میں لینا، جہاد اور دفاع کا حکم دینا۔

۵۔تزاحم کی صورت میں اہم اور مہم کی تشخیص دینا جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ فروع دین میں تزاحم کی حالت پیش آنے پر وقت کا تقاضا اور فعلی ضرورت کیا ہے؟ اس کی تشخیص دینا۔

خلاصہ وہ امور جن کی صراحت اور وضاحت قرآن وروایات میں نہیں ہوئی ہے اور اگر ان مسائل میں نظر نہ دی جائے اور مصلحت کو مدنظر نہ رکھا جائے تو دین کے تعطیل ہونے کا سبب بنے گا، ایسے مقام پر ولی فقیہ کی نظر بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور پھر ان کا نفاذ اور ان پر نظارت، ولی فقیہ کی حکومت کے بغیر ناگزیر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس موضوع کے بارے میں کافی تاکید ملتی ہے۔ چونکہ اسلام ایک نظام حیات کا نام ہے اور اس نظام کی بقاء ودوام اور اس کا صحیح نفاذ، ایک ولی فقیہ جیسے شخص کی حکومت وولایت کے بغیر مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اصل کی ضرورت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

حوالے:

۱۔سورۂ شوریٰ ،آیت ۹

۲۔تفصیل وتحلیل ولایت مطلقہ فقیہ،نہضت آزادی،ص ۶۳۔۶۲

۳۔مکاسب شیخ انصاری ،ص ۱۵۴

۴۔ایضاً،ص ۱۵۴

۵۔کتاب الزکات،ص ۶۷۴،اسی طرح کتاب الخمس ،ص ۵۱۶

۶۔کتاب الخمس ،ص ۵۱۶

۷۔ماخوذ از ولایت فقیہ از دیدگاہ فقہای اسلام،ص ۸۲

۸۔ایضاً

۹۔ماخوذ از ولایت فقیہ از دیدگاہ فقہای اسلام،ص ۹۵

۱۰۔منیۃ الطالب، ج ۱،ص ۳۲۵